يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ (الزمر : ۲۷)

"اور ہم نے لوگوں کو سمجھانے کے لئے اس قرآن میں سب ہی طرح کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔"

﴿ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ (الاعراف : ۱۷۶)

"ان کو قصے سناؤ تاکہ وہ غور کریں۔"

﴿ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ (یونس : ۲۴)

"غور کرنے والوں کے لئے ہم اس طرح آیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔"

﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (ھود : ۱۲۰)

"(اے پیغمبر! دوسرے) پیغمبروں کے جتنے قصص ہم نے تم سے بیان کئے ہیں' ان کے ذریعے ہم تمہارے دل کی ڈھارس بندھاتے ہیں اور ان (قصوں کے ضمن) میں (ایک تو جو) حق بات (تھی وہ) تمہارے پاس پہنچی اور (اس کے علاوہ ان میں) مسلمانوں کے لئے نصیحت اور یاددہانی بھی ہے۔"

﴿ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴾ (المزمل : ۴)

"اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔"

﴿ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ ... ﴾ (المؤمنون : ۶۸)

"کیا ان لوگوں نے ہمارے اس ارشاد (یعنی قرآن) میں غور ہی نہیں کیا..."

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴾ (الفرقان : ۷۳)

"اور نیز وہ لوگ کہ جب اُن کو اُن کے پروردگار کی آیتیں سنا سنا کر نصیحت کی جائے تو اندھے اور بہرے ہو کر ان پر نہ گریں۔"

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ (ص : ۲۹)

"اے پیغمبر! یہ قرآن) بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور جو عقل رکھتے ہیں (اس کے مطالب

سے) نصیحت پکڑیں۔"

﴿ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف : ۳)

"ہم نے اس کو صاف اور سلیس عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم اس کو سمجھو۔"

﴿ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ (الدخان : ۵۸)

"پس اس کو ہم نے تیری زبان میں آسان کیا ہے تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔"

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ (محمد : ۲۴)

"کیا یہ لوگ قرآن کے مطالب کو نہیں سوچتے یا دلوں پر تالے لگے ہیں۔"

﴿ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ ﴾

(الزخرف : ۴۳، ۴۴)

"تو اے پیغمبر! قرآن جو تمہاری طرف وحی کیا گیا ہے اس کو خوب مضبوط پکڑے رہو، اس میں شک نہیں کہ تم سیدھے راستہ پر ہو اور یہ قرآن تمہارے اور تمہاری قوم کے حق میں نصیحت ہے اور آگے چل کر تم سب سے اس کی بابت باز پرس ہونی ہے۔"

قرآن مجید میں جو طریقہ اس کو پڑھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا ہے، وہ صاف طور سے واضح ہو جاتا ہے۔ مندرجہ بالا آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید نہایت غور و خوض سے پڑھو، اور محض اس کا پڑھنا ہی کافی نہ خیال کرو بلکہ اس کا مطلب بھی سمجھو اور پوری طرح سے اس میں فکر اور تدبر کرو۔

نیز حسب ذیل آیتوں میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو کچھ پڑھو اُس کے مطابق صحیح عمل کرو، کیونکہ تمہاری پیدائش کا مقصد ہی عمل ہے۔

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ (النساء : ۲۶)

"اللہ چاہتا ہے کہ (انبیاء اور صلحا) جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے طریقے تم سے کھول کھول کر بیان کرے اور تم کو انہی طریقوں پر چلائے اور اپنی رحمت کے

ساتھ تمہاری طرف متوجہ ہو' اور اللہ علیم و حکیم ہے۔"

﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ﴾
(المُلک : ۲)

"جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا' تا کہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔"

قرآن مجید میں ایمان کے ساتھ عمل صالح لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اور جو وعدے مسلمانوں سے کئے گئے ہیں ان میں ایمان کے ساتھ عمل صالح کی شرط لگادی گئی ہے۔

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ... ﴾ (النور : ۵۵)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کی خلافت و سلطنت ضرور عطا کرے گا....."

قرآن مجید میں یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ اس تعلیم پر عمل کرنے میں رسول اللہ ﷺ کو بطورِ نمونہ پیش نظر رکھو' کیونکہ کسی تعلیم پر عمل کرنے میں آسانی اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایک مجسّم نمونہ اس پر عمل کرنے کا پیش نظر رہے' تاکہ لوگ افراط و تفریط سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ... ﴾ (الاحزاب : ۲۱)

"(مسلمانو!) تمہارے لئے پیروی کرنے کو رسول اللہ کا عمدہ نمونہ موجود ہے۔"

مزید ہدایت کے لئے قرآن مجید سے یہ بھی واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم نے رسول کریم ﷺ کی صحیح پیروی کی ہے اور اس لئے اللہ تعالیٰ اُن سے خوش ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ مہاجرین اور انصار کی سچی پیروی کریں گے ان سے خدا خوش ہو گا۔

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ... ﴾ (التوبة : ۱۰۰)

"اور آگے بڑھ جانے والے پہلے مہاجرین اور انصار اور وہ لوگ کہ پیروی کرتے ہیں ان کی ساتھ نیکی کے' راضی ہوا اللہ اُن سے اور راضی ہوئے وہ

اللہ سے....."

انھی طریقوں سے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید سے فیض اٹھایا۔ خود سرورِ کائنات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن شریف پر بہت غور فرماتے تھے۔ بعض اوقات صرف ایک آیت کو بار بار تلاوت فرماتے تھے یہاں تک کہ پوری رات گزر کر صبح ہو جاتی تھی۔ زاد المعاد (جلد اوّل، صفحہ ۹۰) میں درج ہے :

وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَتِّلُ السُّوْرَةَ حَتّٰى تَكُوْنَ اَطْوَلَ مِنْ اَطْوَلِ مِنْهَا وَقَامَ بِآيَةٍ يَرُدُّهَا حَتّٰى الصَّبَاحِ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورت کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک سورت اپنے سے بڑی سورت سے بڑی ہو جاتی تھی اور بعض دفعہ ایک ہی آیت پر ٹھہر جاتے تھے اور اس کو بار بار صبح تک پڑھتے تھے۔"

حضرت ابن مسعود و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی رائے ہے :

ان الترتيل و التدبر مع قلة القراءة افضل من سرعة القراءة مع كثرتها، بان المقصود من القراءة فهمه وتدبره والفقه فيه و العمل به، وتلاوته و حفظه وسيلة الى معانيه

"آہستہ آہستہ پڑھنا اور غور کرنا جس میں قرآن شریف اگرچہ تھوڑا پڑھا جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ جلد پڑھا جائے اور زیادہ پڑھا جائے، کیونکہ پڑھنے سے مقصود سمجھنا اور غور کرنا ہے تاکہ اس پر عمل ہو سکے، اور اس کا پڑھنا اور یاد رکھنا معنی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔"

زاد المعاد میں یہ بھی تحریر ہے :

كما قال بعض السلف نزل القران ليعمل به فاتخذوا تلاوته عملا ولهذا كان اجل القرآن هم العالمون به والعاملون بما فيه وان لم يحفظوه عن ظهر قلب، واما من حفظه ولم يفهمه ولم يعمل به فليس من اهله وان اقام حروفه اقامة السهم واما مجرد التلاوة غير فهم و لا تدبر فيفعلها البر والفاجرو المؤمن و المنافق كما

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم : ((مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ یَقْرَءُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ الرَّیْحَانَةِ رِیْحُهَا طَیِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ)) و قال شعبة حدثنا ابوحمزہ قال قلتُ لابن عباس انی رجل سریع القراءة و ربما قرأتُ القرآن فی لیلة مرة او مرتین۔ فقال ابن عباس : لان اقرأُ سورة واحدة اعجب الی من ان افعل ذلک الذی تفعل' فان کنت فاعلا لا بد فاقرء قراءة تسمع اذنیک ویعیه قلبک' قال ابن مسعود قفوا عنه عجائبه و حرکوا به القلوب' ولایکن هم احدکم آخر السورة

"جیسا کہ بعض سلف نے کہا ہے کہ قرآن اس لئے نازل ہوا ہے تا کہ اس پر عمل کیا جائے' مگر انہوں نے اس کی تلاوت کو ایک مستقل عمل بنالیا۔ چنانچہ گزشتہ طبقات میں اہل قرآن وہی سمجھے جاتے تھے جو قرآن شریف کے عالم اور عامل تھے' اگرچہ اُن کو زبانی حفظ بھی نہ ہوتا تھا' لیکن جس شخص نے قرآن کو یاد کیا اور اس کے مطالب نہ سمجھے' نہ اُن پر عمل کیا تو وہ اہل قرآن میں سے نہیں ہے' اگرچہ اس کے حروف کو تیر کی طرح اس نے درست کرلیا ہو۔ محض تلاوت جو کہ فہم اور تدبر سے خالی ہو اس کو تو ہر نیک و بد مؤمن و منافق کر سکتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جو منافق قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال ریحان کی سی ہے کہ اس کی بو عمدہ اور مزہ کڑوا ہے۔" شعبہ نے کہا کہ ابو حمزہ نے ہم سے بیان کیا کہ مَیں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں تیز پڑھنے والا ہوں' بعض اوقات ایک رات میں ایک یا دو مرتبہ قرآن شریف ختم کر دیتا ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے ایسے قرآن پڑھنے سے ایک سورۃ پڑھنا بہتر معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال اگر تم تیزی سے ہی پڑھنا چاہو تو بھی ایسا پڑھو کہ تمہارے کان سنیں اور تمہارا دل اسے یاد کرلے۔ ابن مسعود نے فرمایا ہے کہ قرآن شریف کے عجائب پر ٹھہر جاؤ اور ان سے دلوں کو حرکت دو اور تمہاری یہ کوشش نہ ہو کہ خواہ مخواہ آخر سورۃ تک پہنچو۔"

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک طرف تو قرآن مجید پر اِس قدر غور فرماتے تھے' دوسری

طرف اس پر پورا عمل فرماتے تھے اور عمل پر اِس قدر زور دیتے تھے کہ قرآن کو اس طرح پڑھتے تھے کہ پہلے دس آیتیں پڑھیں اور پھر ان پر عمل کیا' پھر اس کے بعد دس آیتیں پڑھتے تھے اور ان پر عمل کرتے تھے۔ فقط پڑھنے اور سمجھنے ہی کو مقصد نہیں بنایا تھا۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر (پہلی جلد صفحہ نمبر۵) میں درج ہے :

قال الاعمش ایضا عن ابی وائل عن ابن مسعود قال کان الرجل منا اذا تعلم عشر آیات لم یجاو زھن حتی یعرف معانیھن والعمل بھن' وقال ابوعبدالرحمٰن السلمی حدثنا الذین کانوا یقرء ونا انھم کانوا لیقرء ون من النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وکانوا اذا تعلموا عشر آیات لم یخلفوھا حتی یعلموا بما فیھا من العمل' فتعلمنا القرآن و العمل جمیعا

"اعمش نے ابو وائل سے روایت کی ہے اور وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہم میں سے دس آیتیں سیکھ لیتا تھا تو اس سے زیادہ نہ پڑھتا تھا جب تک کہ ان کے معنی اور ان پر عمل کرنا نہ سیکھ لے۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی نے فرمایا کہ ہم سے ان لوگوں نے بیان کیا ہے جو ہم کو پڑھاتے تھے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا کرتے تھے' اور وہ جس وقت دس آیتیں پڑھ لیتے تھے تو ان سے تجاوز نہ کرتے تھے جب تک کہ ان پر عمل نہ کر لیتے تھے۔ لہٰذا ہم نے قرآن اور اس پر عمل دونوں اکٹھے سیکھے ہیں"۔

اس کے ساتھ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر غور کرتے تھے کہ قرآن مجید کی تعلیم سے پہلے ہماری حالت کیا تھی اور اس تعلیم کے اثر سے ہماری حالت کیا ہو گئی۔ اپنی حالتوں کا موازنہ کرتے رہتے تھے اور قرآن کی تعلیم سے جو اثرات اُن پر ہوتے تھے ان کا پورا اندازہ کرتے تھے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی کو جو جواب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے دیا تھا وہ اس پر شاہد ہے۔

قرآن مجید کی تعلیم کا طریقہ خود قرآن شریف سے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے بالکل واضح ہے۔ ہم خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کس قدر ہم اس طریقہ تعلیم کے مطابق قرآن مجید سے فائدہ اٹھاتے ہیں!!

اب اگر وہی نتائج نہیں پیدا ہوتے تو کیا تعجب کی بات ہے۔ اگر ان نتائج کی خواہش کی جائے تو ضروری ہے کہ اس طریقہ سے قرآن مجید سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ہماری نجات اسی طریقہ پر منحصر ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے :

لا یصلح آخر هذه الامة الا بما صلح اولها

"اس امت کے آخری حصے کی اصلاح فقط اسی چیز سے ہوگی جس سے اس کے اوّل کی اصلاح ہوئی۔"

تعلیم قرآن مجید کے مقررہ طریقہ کو چھوڑنے سے ہم قرآن شریف کے صحیح مطالب سے بہت دُور ہو گئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مطلوبہ نتائج پیدا نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کا ایک حصّہ تو قرآن مجید پڑھتا ہی نہیں، وہ بالکل اس اعلیٰ تعلیم سے محروم ہے۔ لہٰذا اس گروہ کے بارے میں تو کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ زیادہ افسوس کے قابل حالت مسلمانوں کے اس دوسرے حصّہ کی ہے جو اپنے آپ کو قرآن شریف کی طرف متوجہ سمجھتا ہے لیکن صحیح طریقہ پر مستفید نہ ہونے کی وجہ سے قرآن شریف سے پورا فیض نہیں اٹھا سکتا۔ اس طبقہ میں سے ایک حصّہ تو قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا، بلکہ نقل الفاظ ہی کو کافی سمجھتا ہے۔ چنانچہ ہمارے اکثر مکاتب میں یہی رنگ ہے۔ دوسرا حصّہ اگرچہ قرآن شریف کے مطالب سمجھنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن بدنصیبی سے وہ ان کے سمجھنے کے مقدمات ہی میں الجھا رہتا ہے اور قرآن شریف پر غور کرنے کی طرف نہ توجہ کرتا ہے اور نہ اسے اس کا وقت ہی مل سکتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تفہیماتِ الٰہیہ میں اس طبقہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرماتے ہیں :

وا قول لطلبة العلم ایها السُّفَهاء المسمون انفسکم بالعلماء اشتغلتم بالعلوم الیونانیین و بالصرف و النحو و ظننتم ان هذا هو العلم

"اور میں طالب علموں سے کہتا ہوں کہ اے بیوقوفو جو خود کو علماء کا خطاب دیتے ہو! تم یونانیوں کے علوم میں مشغول ہو گئے ہو اور صرف و نحو میں پھنس گئے ہو اور تمہارا خیال یہ ہے کہ یہ حقیقی علم ہے۔"

اس کے بعد ایک موقعہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن مجید سمجھنے کے لئے جن مقدمات کی

ضرورت ہے ان کو بقدر ضرورت سیکھا جائے نہ کہ بطورِ مستقل۔ فرماتے ہیں :

اَنْ لَّا تَشْتَغِلُوْا بالعُلوم الاٰلِیة اِلاَّ بِاَنَّھا آلَۃٌ لَا بِاَنَّھَا اُمُوْرٌ مُسْتَقِلَّۃٌ

"علومِ الٰہیہ میں شغل محض آلہ ہونے کی حیثیت سے کیا جائے نہ کہ اس لحاظ سے کہ وہ مقصود بالذات ہیں"۔

اور چونکہ یہ طبقہ صرف و نحو، منطق، کلام، معانی بدیع وغیرہ فنون کی تکمیل میں اپنی طالب علمی کا تقریباً تمام وقت صرف کر دیتا ہے اس لئے اصل قرآن کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی اس کو نہیں ملتا۔ اور جس قدر قلیل اقل حصہ اپنی تعلیم کے زمانہ کا قرآن شریف میں صرف کرتا ہے وہ بھی مفسرین کے مختلف خیالات معلوم کرنے میں صرف کر دیتا ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ آج خالص قرآن کی تعلیم ہی نہیں دی جاتی۔ جو لوگ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کی یہ تعلیم ہوتی ہے، حقیقت میں وہ قرآن کی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ مختلف مفسروں کی کتابوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ اور حقیقت میں قرآن کی تعلیم اور تفسیری کتب کی تعلیم علیحدہ علیحدہ ہیں، ایک چیز نہیں ہیں۔ قرآن خود ایک مستقل کتاب ہے اور صاف سلیس عربی میں ہے۔ خدائے تعالیٰ قرآن کے بارے میں فرماتے ہیں :

﴿ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّھُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ○ ﴾ (الدخان : ۵۸)

"پس ہم نے اس کو تیری زبان میں آسان کیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔"

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ ﴾

(القمر : ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰)

"اور ہم نے قرآن کو لوگوں کی نصیحت پکڑنے کے لئے آسان کر دیا ہے، تو کوئی ہے کہ نصیحت پکڑے۔"

﴿ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ ○ ﴾ (الزمر : ۲۸)

"یہ قرآن صاف اور سلیس عربی زبان میں ہے، اس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہیں، تاکہ وہ (اس کو سمجھ کر) بُرے انجام سے بچ جائیں۔"

جو لوگ عربی جانتے ہیں وہ اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ اور اگر ساتھ ہی رسول کریم ﷺ کا نمونہ پیش نظر رکھیں جس کا حکم خود قرآن شریف میں ہے اور جو صحیح احادیث کے ذریعے سے بالکل محفوظ ہے تو انہیں کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں ہے، اور وہ بالکل

صحیح طور سے قرآن کو سمجھ سکتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔ اور جو لوگ عربی نہیں جانتے ان کے لئے بہترین ترجمے موجود ہیں۔ وہ ان کے ذریعے سے سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ ہم قرآن کو بالکل نہیں سمجھ سکتے' اس کے سمجھنے کے لئے بہت سے مختلف علوم و فنون حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور بڑے جید عالم ہونے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ کتاب تقویۃ الایمان صفحہ ۳ میں اس خیال کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے۔

"اس زمانہ میں دین کی بات میں جو لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں' کوئی پہلوں کی رسموں کو پکڑتے ہیں' کوئی قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور کوئی مولویوں کی باتوں کو جو انہوں نے اپنی ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں' سند پکڑتے ہیں۔ اور یہ عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ رسول ﷺ کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے' اس کو بڑا علم چاہئے' ہم کو وہ طاقت کہاں کہ ان کا کلام سمجھیں' اور اس راہ پر چلنا پڑے۔ بزرگوں کا کام ہے۔ سو ہماری کیا طاقت ہے کہ اس کے موافق چلیں' بلکہ ہم کو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں۔ سو یہ بات بہت غلط ہے' اس واسطے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں باتیں بہت صاف صریح ہیں' ان کا سمجھنا مشکل نہیں۔ اور اللہ اور رسول کے کلام کو سمجھنے میں بہت علم نہیں چاہئے کہ پیغمبر تو نادانوں کو راہ بتانے اور جاہلوں کو سمجھانے اور بے علموں کو علم سکھانے کو آئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ جمعہ میں فرمایا ہے :

﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ ﴾

(الجمعة : ۲)

"وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے پیغمبر بنا کر بھیجا' وہ ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے' ورنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔"

سو جو کوئی یہ آیت سن کر پھر کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوائے عالموں کے کوئی سمجھ نہیں سکتا اور ان کی راہ پر سوائے بزرگوں کے کوئی نہیں سکتا۔ سو اس نے اس آیت کا انکار کیا۔ اس بات کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک بڑا حکیم ہو اور ایک بہت بیمار' پھر کوئی

شخص اس بیمار سے کہے کہ فلانے حکیم کے پاس جاؤ اور اس سے علاج کراؤ۔ اس کے جواب میں وہ بیمار کہے کہ اس حکیم سے علاج کروانا تو بڑے بڑے تندرستوں کا کام ہے' مجھ سے یہ کیونکر ہو سکتا ہے' میں تو سخت بیمار ہوں۔ سو وہ بیمار احمق ہے اور اس حکیم کی حکمت سے انکار رکھتا ہے' اس واسطے کہ حکیم تو بیماروں ہی کے علاج کے واسطے ہے۔ جو تندرستوں کا علاج کرے اور انہی کو اس کی دوا سے فائدہ ہو اور بیماروں کو کچھ فائدہ نہ ہو تو وہ حکیم کاہے کا ہے؟"

حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں فرماتے ہیں :

"حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ تم نے قرآن کی منزلیں ٹھہرائی ہیں اور رات کو اونٹ مقرر کیا ہے کہ اس پر سوار ہو کر اپنی منزلیں قطع کرتے ہو۔ اور جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ قرآن مجید کو اپنے پروردگار کے فرمان سمجھتے تھے کہ رات کو ان کے معنی سوچتے اور دن کو ان کی تعمیل کیا کرتے تھے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ قرآن لوگوں پر اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ اس کے بموجب عمل کریں۔ لوگوں نے اس کے پڑھنے پڑھانے کو ہی عمل ٹھہرا لیا ہے کہ ایک شخص شروع سے آخر تک قرآن پڑھ جاتا ہے' یہاں تک کہ ایک حرف بھی اس سے نہیں رہتا' مگر اس کے بموجب عمل نہیں کرتا۔ اور تورات میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ : اے میرے بندے! تجھے مجھ سے شرم نہیں آتی کہ اگر تو راہ میں ہوتا ہے اور کسی تیرے بھائی کا خط تیرے پاس آتا ہے تو راہ سے کنارہ ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور خط کا ایک ایک حرف پڑھتا ہے کہ اس میں سے کوئی مطلب تجھ سے نہیں رہتا۔ اور میں نے جو تجھ پر اپنی کتاب اتاری تو دیکھ تیرے لئے کیسا قول کو مشرح فرمایا اور کس طرح ایک ایک بات کو کئی کئی دفعہ ذکر کیا' اس لئے کہ تو اس کے طول اور عرض کو سمجھے گا' مگر تو اس سے روگردانی کرتا ہے۔ بھلا میں تیرے نزدیک تیرے کسی بھائی سے بھی گیا گزرا کہ اس کے خط کو غور سے پڑھے اور میری کتاب کو بے پروائی سے۔ اے میرے بندے! اگر کوئی تیرا بھائی تیرے پاس آ بیٹھتا ہے تو تُو اس کی طرف بتمام توجہ التفات کر کے ہمہ تن اس کی گفتگو سنتا ہے۔ اور اگر کوئی بول اٹھتا ہے یا اور کوئی کام تجھ کو پیش ہوتا ہے تو تُو اُس سے اشارہ کر دیتا ہے کہ ٹھہرو۔ اور کیوں میں تیری طرف متوجہ ہوں اور تجھ

سے باتیں کرتا رہوں اور تُو اپنے دل سے میری طرف سے روگردان! کیا میری قدر تُو اپنے نزدیک اپنے بھائی کے برابر بھی نہیں کرتا"۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر مَیں سورۂ بقرہ اور آل عمران ٹھہر ٹھہر کر پڑھوں اور ان کو سمجھتا جاؤں تو اس سے اچھا جانتا ہوں کہ سب قرآن کو جلد جلد پڑھ جاؤں۔

اور یہ بھی انہی کا ارشاد ہے کہ میں اگر اِذَا زُلْزِلَتِ اور اَلْقَارِعَۃُ سمجھ کر پڑھوں تو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ سورۂ بقرہ اور آل عمران کو بہت تیزی سے پڑھ جاؤں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سب لوگوں سے خطاب کرتا ہے اور قرآن شریف پڑھنے والا بھی انہی میں سے ہے' تو بے شک وہ خطاب میں شریک ہے۔ اس لئے اس کو فرض کرنا چاہئے کہ اس خطاب سے میں مقصود ہوں۔ اور تلاوت کرنے والا جب اپنے آپ کو مخاطب سمجھے تو اپنا عمل صرف سرسری پڑھنا مقرر نہ کرے بلکہ اس کو اس طرح پڑھے جیسے غلام اپنے آقا کا پروانہ پڑھتا ہے جس میں اس نے لکھا ہو کہ اِس کو سوچ سمجھ کر اِس کے بموجب کاربند ہونا۔ اور اسی جہت سے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ قرآن ہمارے رب کی طرف سے خطوط عہد و پیمان کے ساتھ آئے ہیں کہ ان کو نمازوں میں ہم سمجھیں اور تنہائیوں میں ان پر واقف ہوں اور طاعت میں ان کی تعمیل کریں۔ اور حضرت مالک بن دینار کہا کرتے تھے کہ اے قرآن والو! قرآن نے تمہارے دلوں میں کیا بویا ہے؟ قرآن مؤمن کے حق میں بہار ہے جیسے زمین کے حق میں مینہ بہار ہوتا ہے۔ اسی واسطے بعض قاری کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد کو قرآن سنایا' پھر مَیں دوبارہ ان کی خدمت میں گیا کہ پھر سناؤں تو انہوں نے مجھے جھڑک دیا اور فرمایا کہ میرے سامنے پڑھنے کو تُو نے عمل ٹھہرالیا۔ جا خدا کے سامنے پڑھ اور دیکھ کہ تجھ کو کیا حکم کرتا ہے اور کیا سمجھاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اصحاب رضی اللہ عنہم کا شغل احوال اور اعمال میں ہوتا تھا۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد ان کو اپنی امت کے اختلاف اور پھٹنے کی خبر دی تو وہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر مَیں اُس وقت کو پاؤں تو آپ مجھ کو کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ کلام اللہ کو سیکھنا اور اس کے بموجب عمل کرنا کہ نجات کی صورت وہی ہے۔ میں نے تین بار

سوال کیا۔ آپؐ نے یہی فرمایا کہ کتاب اللہ کو سیکھنا اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرنا کہ نجات اسی میں ہے۔ (ابوداؤد و نسائی در کبریٰ.....)"

(ماخوذ از مذاق العارفین، ترجمہ احیاء علوم الدین جلد اوّل صفحہ ۲۸۶ تا ۳۰۲)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فارسی ترجمہ قرآن "فتح الرحمٰن" کے دیباچے میں فرماتے ہیں :

سائرِ ابناء روزگار کہ اکثر اوقات بشغلِ معاش مشغول اند۔ در وقتِ فراغ باید کہ بایکدگر حلقہ حلقہ بنشینند۔ و کسے کہ برعبارت فارسی قدرت داشتہ باشد و اند کے از فن تفسیر بہرہ یافتہ یابر عزیزے ایں ترجمہ را گزرانیدہ بود۔ بقدر وسعتِ وقت یک دو سورۃ با ترجمہ آں بترتیل و تبئین وقوف برکلام تام بخواند۔ تاہمہ بشنوند۔ و بمعانی آن محظوظ شوند۔ و تشبہ پیدا کردہ باشند۔ باصحابہ کرام کہ بہمیں دستور حلقہ حلقہ می نشستند و قاری ایشاں قراءت می کرد۔ ایں قدر فرق است کہ صحابہ کرام بسلیقہ خود زبانِ عربی فہم مے کردند۔ وایں جماعت بتوسط ترجمہ فارسیہ و چناں کہ یارانِ سعادت مند مثنوی مولانا جلال الدین رومی و گلستان شیخ سعدی و منطق الطیر شیخ فرید الدین عطار و قصص فارابی و نفحات مولانا عبدالرحمٰن و امثال آن نقل مجلس دارند چہ باشد اگر ایں ترجمہ را بہماں اسلوب درمیان آرند و حصہ از شغلِ خاطر بہ ادراکِ آن گمارند۔ اگر آن شغل باکلامِ اولیاء اللّٰہ است ایں شغلِ کلام اللّٰہ است و اگر آں مواعظِ حکیمان است ایں مواعظ احکم الحاکمین است۔ واگر آں مکتوباتِ عزیزان است ایں مکتوباتِ رب العزت است، شَتَّانَ بَیْنَ الْمَرتَبَتَیْنِ اگر انصاف دہی فائدہ اصلی از نزولِ قرآن اِتِّعَاظ است بہ مواعظِ آں و اھتد است بہ ہدایت آں نہ صرف تلفظ بآں اگرچہ تلفظِ آن ہم مغتنم است پس چہ مسلمانی

بدست آوردہ است۔ کسے کہ مدلول قرآن را نہ فہمد او کدام حلاوت دارد آنکہ مدلول کلام اللّٰہ رانہ داند۔ قرآن را برا ئے بندگان خود نازل فرمود تا مرضی او از نامرضی باز شناسند و از مکائد نفس و ظلمات اعمال قبیحہ و اخلاق خبیثہ خلاص شوند۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ "مسلمانوں کو چاہئے کہ فرصت کے وقت حلقہ حلقہ ہو کر بیٹھیں اور جو شخص قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ سکے اور تھوڑی سی تفسیر بھی جانتا ہو یا کسی کے سامنے ترجمہ پڑھ چکا ہو' وہ جس قدر وقت ملے قرآن شریف کو مع ترجمے کے اچھی طرح پڑھے تاکہ سب سنیں اور قرآن شریف کے مطالب کو سمجھیں۔ اور اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشابہت پیدا کریں جو حلقہ حلقہ ہو کر تشریف رکھتے تھے اور قرآن شریف سنتے تھے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بوجہ مادری زبان ہونے کے قرآن خود سمجھتے تھے اور یہاں کے مسلمان ترجمہ کے ذریعے سمجھیں گے۔ جس طرح لوگ مثنوی مولانا جلال الدین' گلستان شیخ سعدی و منطق الطیر شیخ فرید الدین عطار و قصص فارابی و نفحات مولانا عبدالرحمٰن اور اسی قسم کی کتابیں پڑھتے ہیں اسی طرح قرآن شریف کا ترجمہ بھی پڑھ سکتے اور سمجھ سکتے ہیں۔ اگر وہ کتابیں اولیاء اللہ کا کلام ہیں تو قرآن مجید خود اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اگر ان میں حکماء کے وعظ ہیں تو قرآن مجید میں احکم الحاکمین کے فرمان ہیں۔ اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو قرآن شریف کے نزول کی غرض محض اس کے حروف کا تلفظ نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق چلنا ہے' اگرچہ تلفظ بھی غنیمت ہے۔ پس کیسا اسلام ہے اس شخص کا کہ قرآن مجید نہ سمجھے اور کیسی حلاوت اس کے پاس ہے کہ خدا کے کلام کو نہ جانے۔ قرآن اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے نازل فرمایا ہے کہ خدا کی مرضی اور نامرضی کو شناخت کریں اور نفس کے مکر اور برے اعمال کی تاریکیوں اور خراب اخلاق سے نجات حاصل کریں۔"

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اپنے اردو ترجمہ قرآن "موضح القرآن" کے دیباچہ میں فرماتے ہیں :

"مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے رب کو پہچانے اور اس کے صفات جانے' اور اس کے حکم معلوم کرے اور مرضی و نامرضی تحقیق کرے کہ بغیر اس کے بندگی نہیں۔ اور جو بندگی نہ بجالاوے وہ بندہ بندہ نہیں۔ اور اللہ سبحانہ کی پہچان بتانے سے آتی ہے' کیونکہ آدمی سب چیز سکھانے سے سیکھتا ہے۔ اور بتانے والے' سکھانے والے ہرچند تقریریں کریں اس برابر نہیں جو اللہ نے آپ بتایا۔ اس کے کلام میں جو ہدایت ہے دوسرے میں نہیں۔ پر کلام اس کا عربی زبان ہے اور ہندوستان کو اس کا ادراک محال۔ اس واسطے بندہ عاجز عبدالقادر کو خیال آیا کہ جس طرح ہمارے والد بزرگوار حضرت شیخ ولی اللہ بن عبدالرحیم محدث دہلوی ترجمہ فارسی سہل و آسان کر گئے ہیں ویسے ہی اب ہندی زبان میں قرآن شریف کو ترجمہ کرے۔"

مندرجہ بالا اقتباسات سے اچھی طرح روشن ہو گیا ہو گا کہ قرآن مجید کا مطلب سمجھنا کس قدر ضروری ہے۔ باوجود اس کے ہم قرآن مجید کے معنی سمجھنے کی بالکل کوشش نہیں کرتے اور اپنے دل میں یہ خیال کئے مطمئن بیٹھے ہیں کہ ہم سے اس کے بارے میں باز پرس نہ ہو گی۔ حالانکہ جو لوگ عربی زبان جانتے ہیں یا اس کو سیکھ سکتے ہیں' وہ تو قرآن مجید کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اور جو لوگ عربی نہیں جانتے یا نہیں سیکھ سکتے وہ ترجموں اور عربی دانوں کے ذریعے قرآن مجید کے مطالب سمجھ سکتے ہیں۔

ہمارے پاس اگر کوئی خط یا تار یا حکم انگریزی زبان میں لکھا آتا ہے تو اگر ہم انگریزی جانتے ہیں تو اس کو خود پڑھ لیتے ہیں اور اگر اس زبان سے واقف نہیں ہوتے تو اس کا ترجمہ اپنی زبان میں کرا لیتے ہیں یا خود کسی انگریزی دان سے اس کا مطلب سمجھ لیتے ہیں اور ہم بالکل بے چین رہتے ہیں جب تک اس خط یا تار یا حکم کا مطلب نہیں معلوم کر لیتے۔ اور کھود کھود کر اس کے معنی پوچھتے ہیں۔ اور اگر کسی لفظ پر ہم کو شبہ رہ جاتا ہے تو پھر دوسرے لوگوں سے اس کا مطلب حل کراتے ہیں۔ افسوس اور صد ہزار افسوس کہ قرآن مجید کے بارے میں ہم ایسے غافل ہیں کہ اس کے مطلب کو سمجھنے کے لئے ہم مطلق کوشش نہیں کرتے۔ کس قدر بدنصیبی اور بدقسمتی کی بات ہے کہ باوجود قرآن کے معنی نہ سمجھنے کے ہم چین و آرام سے بیٹھے ہیں اور ہمیں کوئی رنج و فکر اس کا نہیں ہے۔ اگر کسی

افسر کے پاس سے ہمارے پاس انگریزی زبان میں دستور العمل اور احکام پہنچیں تو ہمیں اطمینان نہیں ہوتا جب تک کہ ان سب کا ترجمہ حرف بحرف ہم خود نہ سن لیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے احکام و ارشادات کا مجموعہ قرآن مجید ہمارے پاس موجود ہے اور ہمیں اس طرف توجہ بھی نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس میں علوم و معارف کے دریا بھرے پڑے ہیں اور جس قدر بھی کوئی شخص اعلیٰ دماغ رکھتا ہو وہ اپنے ظرف کے مطابق علم و حکمت کے موتی اس سے حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تشنہ لب اور پیاسے اس آبِ حیات سے محروم رہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ پانی سے اس زمانہ میں بھاپ حاصل کر کے مختلف کام لئے جاتے ہیں اور ریلوے گاڑیاں وغیرہ چلائی جاتی ہیں۔ پانی سے یہ کام صرف وہ لوگ لے سکتے ہیں جو سائنس سے واقف ہیں، لیکن ہر شخص چاہے وہ کیسا ہی جاہل ہو پانی سے اپنی پیاس بجھا کر زندگی کو برقرار رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح مذہبی اور روحانی زندگی کے قائم رکھنے کے لئے جس آبِ حیات کی ضرورت ہے اس کو ہر شخص خواہ وہ جاہل ہو یا عالم، قرآن مجید کے بحر ذخار سے باآسانی حاصل کر سکتا ہے۔ البتہ جو شخص زیادہ عالم ہو گا وہ علم و حکمت کے زیادہ موتی اس سمندر سے حاصل کر سکے گا۔ ہم اس خطرناک غلطی میں مبتلا ہیں کہ چونکہ ہم بڑے عالم نہیں اور ہم قرآن مجید کے زیادہ نکات نہیں سمجھتے اس لئے ہم کو قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس تباہ اور برباد کر دینے والی غلطی کی وجہ سے ہمیں قرآن مجید سے محرومی ہوتی جا رہی ہے اور ہماری مذہبی اور روحانی حیات کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ زندگی قائم رکھنے کے لئے جس چیز کی جس قدر ضرورت ہے اس کا میسر آنا بھی اللہ تعالیٰ نے اسی نسبت سے آسان کر دیا ہے۔ ہوا اور پانی کس آسانی سے مل سکتے ہیں۔ اسی طرح حیاتِ ایمانی اور روحانی زندگی کی بقاء کے لئے جس تعلیم کی ضرورت ہے وہ قرآن شریف میں نہایت صاف اور روشن طریقے سے موجود ہے اور ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہم یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن تو ہم نہیں سمجھ سکتے البتہ مختلف حضرات نے (اپنے اپنے خیالات کے لحاظ سے) جو شرحیں (تفسیریں) قرآن کریم کی لکھی ہیں وہ ہم سمجھ سکتے ہیں اور انہی کو سمجھنا اور ان شرحوں کے سمجھنے کی کوشش کو لوگ قرآن کی تعلیم سمجھتے ہیں۔ اگر یہ شرحیں اور تفاسیر ایسی ہوتیں کہ فقط قرآن مجید کا صحیح مطلب ہی ادا کرتیں تو

اس میں کوئی نقصان نہ ہوتا' لیکن غضب تو یہ ہے کہ مختلف لوگوں نے مختلف زمانوں میں زمانوں کے مختلف اثرات سے متاثر ہو کر جو طرح طرح کی باتیں اپنی شرحوں اور تفاسیر میں ایسی درج کی ہیں جن میں اور قرآن کی تعلیم میں کوئی مناسبت ہی نہیں ہے؟ لوگ ان باتوں کو قرآن کی تعلیم سمجھنے لگے ہیں اور حقیقت میں ان کو قرآن کی تعلیم سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

یہ بات واضح کرنا ضروری ہے۔ اس لئے میں قرآن کی شرحوں کا ابتدائی اور انتہائی مختصر خاکہ بطورِ نمونہ ذکر کرتا ہوں۔

شروع میں رسول کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں قرآن مجید کی کسی خاص شرح کے لکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ قرآن مجید عربوں کی مادری زبان میں تھا' اس کو وہ اچھی طرح سمجھتے تھے۔ البتہ جب مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور کثرت سے عجمی لوگ مسلمان ہونے لگے تو چونکہ ان کی مادری زبان عربی نہ تھی اس لئے ان کو قرآن شریف سمجھنے میں دقت ہوئی۔ اس دقت کے رفع کرنے کے لئے جہاں جہاں قرآن مجید کی عبارت میں عجمیوں کے لئے اشکالات سمجھے گئے ان کے مطالب کو دوسرے ایسے الفاظ اور جملوں کے ذریعے واضح کیا جانے لگا جس کو آسانی سے سمجھا جاسکے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ان تفسیری جملوں اور فقروں کو کسی کتاب کی شکل میں لکھنے کی مطلق ضرورت نہیں سمجھی گئی' بلکہ جو حضرات قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے' وہ تعلیم دینے کے وقت جہاں ضرورت ہوتی تھی ایسے الفاظ اور فقرات کا استعمال کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک کے زمانہ میں ان تفسیری الفاظ اور جملوں کی زیادہ ضرورت نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے ایسے تفسیری جملے صرف چند مروی ہیں۔

صاحب کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۳۲۲ میں لکھتے ہیں :

وَالرِّوَايَةُ عَنِ الثَّلاثَةِ فی ندرة جِدًّا

"ان تینوں سے بہت ہی تھوڑی روایت ہے۔"

سب سے زیادہ تفسیری جملے صحابہ میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں'

کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کم سن صحابہ میں سے تھے اور آپ کی وفات ۶۸ھ میں ہوئی ہے۔ اور اس عرصہ میں کثرت سے عجمی لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور بوجہ عجمی ہونے کے ان کو ایسے تفسیری جملوں اور الفاظ کی زیادہ ضرورت تھی' لیکن افسوس ہے کہ بہت سے جھوٹے راویوں نے اپنی طرف سے تفسیری فقرے اور جملے بنا کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔

صحابہ کے بعد تابعین نے قرآن شریف پڑھانا شروع کیا اور اس تعلیم کے دو مرکز ہو گئے' ایک مکہ' دوسرا کوفہ۔ مکہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد مثلاً مجاہد اور سعید بن جبیر' عکرمہ' طاؤس بن کیسان اور عطاء بن ابی رباح قرآن کی تعلیم خصوصیت سے دیتے تھے اور کوفہ میں حضرت ابن مسعود کے شاگرد علقمہ بن قیس' اسود بن یزید' ابراہیم نخعی اور شعبی وغیرہ۔ حضرات تابعین کے زمانہ میں بھی قرآن مجید کے مطالب سمجھانے والے تفسیری الفاظ اور فقروں کو لکھوانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی بلکہ قرآن کی تعلیم کے وقت وہ استعمال کئے جاتے تھے۔

حضرات تابعین کے بعد ان کے شاگردوں نے صحابہ اور تابعین کے ان تفسیری الفاظ اور فقروں کو لکھنا شروع کر دیا۔ جن حضرات نے خصوصیت سے یہ الفاظ اور فقرے جمع کئے ان کے نام یہ ہیں : سفیان بن عیینہ' وکیع بن الجراح' شعبہ' یزید بن ہارون' عبدالرزاق' آدم بن ابی یاس' اسحٰق بن راہویہ' روح بن عبادہ' عبد بن حمید' ابی بکر بن ابی شیبہ۔

اگر یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہتا تو نہایت مفید ہوتا اور آج قرآن کی اصلی تعلیم صحیح رنگ میں جاری رہتی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس طبقہ کے بعد ایسے حضرات پیدا ہوئے جنہوں نے ایسی شرحوں میں قرآن مجید کے صحیح مطالب ہی کو پوری طرح پیش نظر نہیں رکھا بلکہ بہت سی غیر صحیح باتیں بھی اپنی شرحوں میں درج کر دیں اور مختلف تفسیروں کی کتابیں ایسی لکھنی شروع کیں جن میں قرآن کے کچھ حصّے کے صحیح اور کچھ حصّے کے غیر صحیح مطالب موجود تھے۔

ان کے بارے میں صاحب کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۳۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں :

ثم الّف فی التفسیر طائفة من المتاخرین' فاختصروا الاسانید ونقلوا عن الاقوال' تبرأ فدخل منهن الدخیل' والتبس الصحیح بالعلیل' ثم صار کل من سنح له قول یورده و من خطر بباله شی ء یعتمده ثم ینقل ذلک خلف عن السلف ظانا ان له اصلا غیر ملتفت ؟ ای تحریر ما ورد عن سلف الصالح

"اس کے بعد متاخرین میں ایک جماعت نے تفسیریں تالیف کیں اور اسناد کو مختصر کر دیا اور بہت سے اقوال نقل کر دیئے۔ یہاں سے زائد باتیں داخل ہونے لگ گئیں اور صحیح اور ضعیف آپس میں ملتبس ہو گئے۔ اس کے بعد جس کسی کو جو بات معلوم ہوئی وہی درج کر دی اور جو کچھ اس کے خیال میں آیا اسی پر اعتماد کیا۔ اس کے بعد ہر پچھلا طبقہ اپنے متقدمین سے نقل کرنے لگا' اسی خیال سے کہ ضرور کوئی نہ کوئی اس کی اصلیت ہو گی۔ اور انہوں نے اس کی تحقیق نہیں کی کہ سلف صالحین سے اس میں کیا منقول ہے"۔

ان تفسیروں میں کلام مجید کے الفاظ کے جس حد تک غیر صحیح معنی درج ہونے لگے اس کا اندازہ سیوطیؒ کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے۔

رایتُ فی تفسیر قوله تعالٰی غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلاَ الضَّالِّیْنَ نحو عشرة اقوال مع ان الوارد عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و جمیع الصحابة و التابعین لیس غیر الیهود و النصاریٰ

"میں نے غیر المغضوب علیهم و لا الضالین کی تفسیر میں دس مختلف قول دیکھے ہیں' حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے یہود و نصاریٰ کے سوا اور کچھ مروی نہیں ہے۔"

مفسرین کے اس طبقہ کے بعد ایک دوسرا طبقہ پیدا ہوا جس نے اپنی کتابوں میں قرآن مجید کے غیر صحیح مطالب ہی پر اکتفا نہیں کیا' بلکہ انہوں نے قرآن مجید کے مطالب کو صرف اس فن کے متعلق محصور کرنے کی کوشش شروع کر دی جس فن کو وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ مثلاً جس کو نحو اچھی آتی تھی اس نے اپنی تفسیر میں کلام مجید کے صحیح مطالب کو پیش کرنے کی جگہ ساری قوت قرآن کی آیتوں کے نحوی نکات پر بحث کرنے میں اور نحو کے

مسائل نقل کرنے میں صرف کردی۔ اور اس طرح اس کا پڑھنے والا صرف یہ سمجھ سکتا ہے کہ گویا قرآن مجید صرف علم نحو ہی کی تعلیم کی غرض سے نازل ہوا ہے۔ مثلاً اس قسم کی ایک تفسیر میں بجائے اس کے کہ بسم اللہ کا صاف مطلب ظاہر کردیا جاتا' اس کی تین ہزار تک ترکیبیں درج کردی ہیں۔ اس بارے میں بجائے اس کے کہ خود کچھ کہا جائے' بہتر معلوم ہوتا ہے کہ کشف الظنون کی عبارت ہی نقل کردی جائے۔ یہ عبارت اس کو واضح کردے گی۔

ثم صنف بعد ذلک قوم برعوا فی شی ء من العلوم و ملأ کتابه بما غلب علی طبعة من الفن و اقتصر فیه علی ما تمهر هو فیه کان القرآن اُنزل لا جل هذا العلم لا غیر مع ان فیه تبیان کل شی ء فالنحوی تراه لیس له بهم الّا الاعراب و تکثیر الاوجه المحتملة فیه و ان کانت بعیدة و ینقل قواعد النحو و مسائله و فروعه و خلافیاته کالزجاج والواحدی فی البسیط و ابو حیان فی البحر و النهر و الاخباری لیس له شغل الا القصص و استیفاء ها والاخبار عمن سلف سواء کان صحیحة او باطلة و منهم الثعلبی و الفقیه یکاد یسرد فیه الفقه جمیعاً و ربما استطرد الَی اقامة ادلة الفروع الفقهیة التی لا تعلق لها بالایت اصلا و الجواب عن ادلة المخالفین کالقرطبی و صاحب العلوم العقلیة خصوصا الامام فخر الدین قد ملأ تفسیره باقوال الحکماء و الفلاسفة و خرج من شی ء الی شی ء حتی یقضی الناظر العجب۔ قال ابو حیان فی البحر جمع الامام الرازی فی تفسیره اشیاء کثیرة طویلة لاحاجة بها فی علم التفسیر' و لذلک قال بعض العلماء فیه کل الا التفسیر' المبتدع لیس له قصة الا تحریف الایات و تسویتها علی مذهبه الفاسد بحیث انه لو لاح له شاذة من بعید اقتضها او وجد

موضعا له فیه ادنٰی مجال سارع الیه والملحد فلا تسئل عن کفره و الحاده فی آیات اللّٰه وافترائه علی اللّٰه ما لم یقله' ومن ذلک القبیل الذین یتکلمون فی القرآن بلا سند ولا نقل عن السلف ولا رعایة الاصول الشرعیة القواعد العربیة کتفسیر محمود بن حمزة الکرمانی فی مجلدین سماه العجائب و الغرائب ضمنه اقوال هی عجائب عند العوام و غرائب عما عهد عن السلف بل هی اقوال المنکر' لا یحلُّ الاعتقاد علیها ولا ذکرها الا للتحذیر من ذلک' وسئل البقلینی عمن فسر بهذا مَافتٰی بانه ملحد و اما کلام الصوفیة فی القرآن فلیس بتفسیر' قال ابن الصلاح فی فتاواه : وجدتُ عن الامام الواحدی انه قال صنف السلمی حقائق التفسیر ان کان قد اعتقد ان ذلک تفسیر فقد کفر قال النسفی فی عقائده النصوص تحمل علی ظواهرها و العدول منها الی معان یدعیها اهل الباطن الحاد (کشف الظنون' جلد ۲' ص ۳۳۷)

"اس کے بعد ایسے لوگوں نے تصنیف کی جنھوں نے کسی ایک علم میں فوقیت حاصل کی اور اپنی کتاب کو اسی فن سے بھر دیا جو اُن کی طبیعت میں غالب تھا' اور محض اسی پر اکتفا کیا جس میں کہ انھوں نے مہارت حاصل کی تھی۔ گویا کہ قرآن شریف محض اُسی علم کے لئے نازل ہوا تھا۔ باوجودیکہ اس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے نحوی کو فقط اعراب اور وجوہ ترکیب ہی مد نظر رہتے ہیں' اگرچہ وہ بعید ہی کیوں نہ ہوں اور وہ نحو کے قواعد و مسائل اور فروع و خلافیات ہی کو داخل کرے گا اور جس طرح کہ زجاج اور واحدی نے بسیط اور ابو حیان نے بحر اور نہر میں کیا ہے۔ اور اخباری کو محض قصے اور ان کو تکمیل ہی مد نظر رہتی ہے' خواہ وہ قصے صحیح ہوں یا غلط۔ ثعلبی بھی ایسے حضرات میں سے ہیں اور فقیہہ کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ ساری فقہ داخل کر دے۔ بسا اوقات فقیہہ فروعاتِ فقہ کی دلیلیں لے آتا ہے حالانکہ ان کو نفس آیات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا' اور پھر اُن دلیلوں

کے مخالفین کے جوابات بھی نقل کر دیتا ہے۔ ایسے حضرات میں قرطبی ہیں۔ اور صاحب علومِ عقلیہ خصوصاً امام رازیؒ جنہوں نے اپنی تفسیر کو حکما اور فلاسفروں کے اقوال سے بھر دیا ہے اور کہاں سے کہاں تک چلے جاتے ہیں جس سے دیکھنے والا متعجب ہوتا ہے۔ ابو حیان نے بحر میں کہا ہے کہ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بہت سی چیزیں ایسی درج کی ہیں جن کی علم تفسیر میں کچھ ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ امام رازی کی تفسیر میں سب کچھ ہے مگر تفسیر نہیں ہے۔ اور ایک بدعتی کی غرض محض آیتوں کی تحریف ہی ہوتی ہے' تاکہ ان کو اپنے فاسد مذہب پر منطبق کرے' یہاں تک کہ اگر اسے کوئی دُور کی بات بھی سوجھتی ہے تو اسے لے لیتا ہے' یا اگر کوئی ایسا موقع پاتا ہے جس میں اس کی کوئی بات کچھ بھی بن سکے تو فوراً بنا لیتا ہے۔ اور ملحد کا تو ذکر ہی کیا ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی نسبت جھوٹ بناتا ہے جو خدا نے مطلقاً نہیں فرمایا۔ اور جو قرآن شریف میں بلا سند یا سلف صالحین کے اقوال کے ماسوا اور قواعد عربیہ اور اصولِ شرعیہ کی رعایت کے بغیر کچھ کہتے ہیں' وہ سب اسی قسم میں سے ہیں۔ محمود بن حمزہ کرمانی کی تفسیر دو جلدوں میں اسی قسم کی ہے جس کا نام اس نے العجائب والغرائب رکھا ہے۔ اس میں بہت سے قول نقل کئے ہیں جو عوام کے نزدیک عجیب ہیں اور سلف کے طریقہ سے بہت دُور ہیں' بلکہ وہ ایسے ہیں کہ ان پر اعتقاد ہی ناجائز ہے اور ان کا ذکر کرنا سوائے تحذیر کے ناجائز ہے۔ بلقینی سے ایسے شخصوں کی نسبت فتویٰ پوچھا گیا' انہوں نے کہا کہ ایسے مفسر ملحد ہیں۔ اور قرآن شریف کے بارے میں صوفیہ کا کلام تفسیر نہیں ہے۔ ابن الصلاح نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ مَیں نے امام واحدی سے معلوم کیا ہے' انہوں نے فرمایا کہ سلمی نے حقائق تفسیر تصنیف کی ہے' جو شخص یہ خیال کرے کہ یہ تفسیر ہے تو وہ کافر ہے۔ نسفی نے اپنے عقائد میں کہا ہے کہ نصوص کو اپنے ظواہر پر محمول کیا جائے گا۔ اور ان سے اہل باطن کے معانی کی طرف پھرنا الحاد ہے۔"

ہم میں یہ رنگ چھٹی صدی ہجری میں آگیا۔ اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ قرآن مجید کا تو ذکر ہی کیا' خود اِن تفسیروں کی شرحیں اور حاشیئے لکھے جانے شروع ہو گئے۔ صرف تفسیر بیضاوی کا ملا عوض نے تیس جلدوں میں حاشیہ لکھا ہے۔

(ایک نہایت اہم مسئلہ کو حل کرنے کے لئے یہ اقتباسات نقل کئے گئے ہیں' ورنہ حضرات علمائے کرام نے اپنے مذہب کی خدمت جس خلوص اور جانفشانی سے کی ہے اس کی جزا صرف اللہ تعالیٰ ہی مرحمت فرما سکتا ہے۔)

اب یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ اصل قرآن پر غور و فکر کرنا اور چیز ہے اور تفاسیر پر غور و فکر کرنا اور چیز ہے۔ اصل قرآن کو چھوڑنے سے اور اس کو مقررہ طریقہ سے نہ پڑھنے کی وجہ سے ہم قرآن مجید کی صحیح تعلیم سے محروم ہوتے جاتے ہیں اور اس کے نتائج وہ ہیں جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ خود قرآن مجید میں جو طریقے قرآن کی تعلیم سے فائدہ اٹھانے کے درج ہیں ان کو چھوڑنے کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم سے جس طرح ہم دُور ہوتے جاتے ہیں اس کی تحقیق بھی چونکہ ضروری ہے اس لئے اب اس مسئلہ کو واضح کیا جاتا ہے۔

قرآن حکیم کی اصطلاحات کے اصلی اور موجودہ مفہوم میں فرق

جب سے ہم قرآن کی اصلی تعلیم سے دُور ہوتے گئے ہیں ہم برابر تنزل کر رہے ہیں۔ اور جیسی قوم کی حالت ہوتی ہے ویسے ہی اس کے اخلاق ہوتے ہیں۔ اگر قوم زندہ ہوتی ہے تو اس کے افراد میں جرأت' ہمت' استقلال' ترقی کی امنگ' ایثار' قربانی وغیرہ عمدہ اخلاق ہوتے ہیں' اور اگر قوم میں مردنی ہوتی ہے تو اس کے افراد پست ہمت' ست' بزدل' ہاتھ پیر توڑنے والے ہوتے ہیں۔ قومی تنزل کا مُردہ اقوام میں اس قدر اثر ہوتا ہے کہ عمدہ الفاظ کے مفہوم بھی بگڑ کر خراب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب مسلمانوں میں کچھ جان تھی تو اُن میں وعدہ اور قول و قرار کا دوسرا مفہوم تھا' اور جب اِن پر مُردنی چھا گئی تو انہی الفاظ کا دوسرا مفہوم ہو گیا۔ پہلے مشہور تھا "قول مرداں جان دارد"۔ پھر یہ حالت ہوئی ؎

وعدہ آساں ہے ولے اس کی وفا مشکل ہے!

پھر اس کے بعد یہ حالت ہو گئی ؎

وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا!

اسی طرح جب سے ہم نے قرآن مجید کو چھوڑ دیا ہے اور اس وجہ سے ہماری حالت خراب ہو گئی تو خود کلامِ مجید کے مفہوم بدل گئے۔ مثال کے طور پر مَیں "توکّل" اور